خواب سفر کا رستہ

یوسف خالد

فہرس



دیباچہ

جدید اردو نظم کے فروغ اور اس کی شعریات کی تفہیم میں وزیر آغا کے رسالہ اوراق نے نہایت اہم خدمات سرانجام دیں۔ بیسویں صدی کی ساتویں، آٹھویں اور نویں دہائی میں نئے نظم گوؤں کی جو نسل سامنے آئی، اس میں سے اکثر کو شہرت اوراق کے ذریعے ملی۔ یہی نہیں، اُنھوں نے نظم کی اسی شعریات کو بالعموم قبول کیا، جسے اوراق نے اپنی اشاعت کے آغاز (۱۹۶۵ء) سے واضح کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ وزیر آغا خود نظم کے اہم شاعر تھے؛ اُنھوں نے خود نظم پر مضامین لکھے؛ اوراق کے اداریوں میں نظم کو موضوع بنایا؛ نظم پر مذاکرے شائع کیے؛ نظموں کے متعدد تجزیے چھاپے اور نظموں پر ممتاز نقادوں کے مقالات چھاپے۔ نظم سے متعلق اوراق کے مؤقف کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ نظم کو کلیشے سے پاک ہونا چاہیے۔ کلیشے کا تعلق صرف زبان سے نہیں، خیال، احساس، تجربے اور موضوع سے بھی ہے۔ کلیشے سے محفوظ ہونے کا مطلب، نظم میں اپنا لہجہ پیدا کرنا تھا اور اپنے دست خط ثبت کرنا تھا۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ نظم میں، یا کسی بھی فن پارے میں اپنے دست خط اس وقت تک ثبت نہیں کیے جا سکتے، جب تک دوسروں کے امتیازات سے آگاہی نہ ہو، اور اپنے اظہار کو ماسبق یا معاصر شعرا کے امتیازات کے جلی اثر سے محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی گئی ہو۔ ہیرلڈ بلوم نے اسی ضمن میں 'اثر کی بے چینی' کا نظریہ پیش کیا ہے۔ یعنی اپنے پیش روؤں کے اثر سے جو اضطراب پیدا ہوتا ہے، وہ ایک طرف پیش روؤں کی مانند عظمت حاصل کرنے کی تحریک دیتا ہے اور دوسری طرف، ان کی عظمت کے اثر سے بچنے کی تشویش پیدا کرتا ہے۔ کہنے کا مقصود یہ ہے کہ اوراق نے نظم نگاروں کو 'اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو' کا نکتہ سجھایا تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اوراق نے جدید نظم کے فروغ کو تحریک کی شکل دی۔ نظم کی اس تحریک سے متاثر ہونے والوں میں یوسف خالدؔ بھی شامل ہیں۔ ان کی نظمیں اسی کی دہائی کے اواخر میں اوراق

میں شائع ہونا شروع ہوئیں اور اس عہد ساز رسالے کی ۲۰۰۵ء میں آخری اشاعت تک تواتر سے شائع ہوتی رہیں۔

خواب سفر کا رستہ، ان کا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں بھی یوسف خالدؔ نے نظم کی اسی شعریات کوملحوظ رکھا ہے، جس کا ذکر ابھی ہوا۔ اس شعریات کے دو ایک مزید نکات کا ذکر ضروری ہے، جن کا تعلق زیر نظر کتاب سے بھی ہے۔ جدید نظم ان موضوعات کا تعاقب نہیں کرتی، جنھیں 'عظیم، غیر معمولی، بے مثال' کہا گیا ہے۔ یوں بھی عظمت، پورے جدید ادب میں ایک معمائی تصور یعنی Problematic ہے۔ جدید ادب نے زندگی کی ان سب چھوٹی چھوٹی چیزوں، معمولی تجربوں، عام واقعات، چھوٹے موٹے توہمات، لاشعور سے ظاہر ہونے والے انوکھے مظاہر یا uncanny کو غیر معمولی اہمیت دی ہے، جو انسانی احساس کو تحریک دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جدید نظم کی جمالیات کسی اشرافی تصور کی قائل نہیں۔ جو شے، واقعہ، خیال، توہم، مظہر فرد کی حسی دنیا کو متاثر کرسکتا ہے، یا اس کی نشو ونما میں حصہ لینے کا اہل ہے، وہ نظم کا موضوع بن سکتا ہے۔

یوسف خالدؔ کی نظموں کا بنیادی تناظر، روز وشب کے معمول کے تجربے ہیں اور ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی خواہش ہے (خود یوسف خالدؔ کی نظم 'زندگی' کے مصرعے ہیں: 'زندگی روز وشب میں مقید بھی ہے/زندگی روز وشب سے الگ بھی کہیں)؛ انسانی رشتوں سے وابستہ احساسات اور خواب ہیں؛ تنہائی کے لمحوں میں ہستی کے اسرار جاننے کی تڑپ ہے؛ فطرت کے ساتھ عرفانی تعلق قائم کرنے کی آرزو ہے۔ ان کی نظمیں پڑھتے ہوئے، ہمیں ایک طرف ایک جانی پہچانی دنیا کا احساس ہوتا ہے، اور دوسری طرف اسی دنیا میں ایک ذرا سی دھندلی، نامانوس، انوکھی دنیا کی طرف کھلنے والے دریچوں کی موجودگی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی نظمیں ایک یکسر نامعلوم دنیا کی معمائی تصویر پیش نہیں کرتیں۔ جو کچھ آنکھوں کے روبرو ہے اور جو کچھ تخیل کے سامنے طلوع ہورہا ہے، اسے نظموں میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی نظموں کا اسلوب، انہی دو چیزوں سے تشکیل پاتا

ہے۔چشمِ ظاہر کے آگے بند قبا کھولنے والے مناظر کے لیے وہ ایک نئی طرح کی محاکات سے کام لیتے ہیں،اور چشمِ باطن پر وا ہونے والے ایک پیکرِ خوش نما کی تجسیم کی کوشش کرتے ہیں۔

نظم 'دن نکل آیا' دیکھیے:

ستارہ صبح کی دہلیز تک آیا
کسی سورج کی کرنوں کے طلوع ہونے سے پہلے
چند لمحوں کے لیے ٹھہرا
نئے روشن سویرے کو سلامی دی
مسافت کی تھکن کو بھول کر
اک گہری لمبی سانس لی
اور چپ کی چادر اوڑھ لی
پھر نور پھیلا
روشنی کے ہاتھ میں جتنے ادھورے خواب تھے
تکمیل کی جانب بڑھے
کردار ابھرے
انگنت رنگوں سے
خوشبو سے
فضا میں دل کشی پھیلی
ستارے کی ریاضت کا جنوں
ماحول کی رگ رگ میں اترا
دن نکل آیا

یہ نظم دن نکلنے کا منظر پیش کرتی ہے۔اسے نئی طرح کی محاکات،اس لیے کہا ہے کہ یہ

خالی منظر نگاری نہیں، بلکہ منظر کی جزئیات کے لفظی پیکر کچھ اس طور بنائے گئے ہیں کہ وہ غیر محسوس انداز میں استعارہ بنتے چلے جاتے ہیں۔ دن نکلنے کا منظر، آدمی کی داخلی جدوجہد کا استعارہ بن گیا ہے؛ نظم کا ستارہ، اس آدمی کا استعارہ بنا ہے جو اپنے اندر طویل مسافت طے کرتے ہوئے، بالآخر روشنی کے حصول میں کامیاب ہوتا ہے۔ روشنی، ہوا، خواب، حسن، اُمید، یوسف خالؔد کی ان نظموں کے بنیادی استعارے ہیں۔ حسن کے خواب، حسن کی تلاش اور حسن سے وصال کے تخیل کے سبب، ان نظموں میں ایک رجائی لہر مسلسل محسوس ہوتی ہے۔ جدید اردو نظم میں عموماً زندگی کے تاریک، یاس انگیز پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے، مگر یوسف خالؔد کے یہاں یاس انگیزی نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلا شبہ زندگی میں، دنیا میں بہت کچھ ایسا ہے جو آدمی کو یاس میں مبتلا کرتا ہے، مگر یہ بھی درست ہے کہ آدمی یاس سے بچ سکتا ہے۔ یوسف خالؔد کے یہاں ایک پیکرِ خوش نما کا ذکر بار بار آتا ہے؛ یہ ایک تخیلی پیکر ہے، مگر جس کی آرزو حقیقی ہے، یعنی حسیات کو برانگیختہ کرتی ہے۔ اسی پیکر خوش نما کا تخیّل ہی، انھیں زندگی کے یاس انگیز پہلوؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اپنی نظموں میں اس پیکرِ خوش نما کی تجسیم کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ وہ تجسیم سے ماورا ہے :

میرے حسن تخیّل کی ہے جان تو
میرے الفاظ میں بانکپن تجھ سے ہے
میرے جذبوں کی ساری پھبن تجھ سے ہے
مجھ کو تسلیم ہے پیکرِ خوش نما
تو ہے میرے تخیّل کی حد سے پرے
میرے ادراک سے ماورا.... ماورا
مجھ کو تسلیم ہے پیکرِ خوش نما (خوش قدم)

'پیکرِ خوش نما' سب سے بڑا پیراڈاکس ہے! وہ ادراک سے ماورا ہے، یہاں تک کہ انسانی تخیّل کی حد سے پرے ہے، اس کے باوجود وہ ایک 'پیکرِ خوش نما' ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا

علم ہی اس کے جاننے میں مزاحم ہے۔ پھر بھی شاعر اپنے ادراک اور تخئیل دونوں کی مدد سے اسے پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کوشش تجرید کو مظاہر کی مدد سے پہچاننے ہی کی کوشش ہے۔
نظم 'نہ جانے کون' میں یہ کوشش نظر آتی ہے۔

نہیں معلوم کہ یہ کون ہے
یہ وہم ہے، میرا تخئیل ہے
یا پھر تاریخ کے اوراق سے اُبھرا ہوا کردار ہے کوئی
جو میرے روبرو آ کر مجسم ہو گیا ہے

اسی موضوع پر ایک اچھی نظم 'وہ پیکر' ہے:

وہ پیکر
جو میرے احساس کو چھو کر گزرتا ہے
اسے میرے تخئیل نے
کبھی پھولوں میں دیکھا ہے
کبھی تاروں کی جھلمل میں
کبھی رنگوں میں
خوشبو میں
کبھی گیتوں کے بولوں میں
کبھی وہ خوش نما پیکر
مری نظموں میں ڈھلتا ہے
کبھی وہ آنکھ میں موجود بوندوں میں جھلکتا ہے
وہ پیکر جب کبھی
احساس کی دہلیز سے آگے گزرتا ہے

تو خوابوں کا نگر آباد کرتا ہے
وہ پیکر، خوش نما پیکر
میرے احساس کا ملبوس ہے
میرا تخیّل ہے

اس پیکرِ خوش نما کے سبب، یوسف خالدؔ کی نظم میں 'نیم صوفیانہ جمالیاتی' جہت پیدا ہوئی ہے۔ چوں کہ وہ اس پیکرِ خوش نما کو جا بجا دیکھتے ہیں، اس لیے دنیا سے ان کا رشتہ منقطع نہیں ہوتا؛ حقیقتاً تجرید و تنزیہہ سے جذباتی رشتہ استوار کرنے کی صورت میں آدمی دنیا سے لاتعلق یا بے نیاز ہوسکتا ہے۔ یوسف خالدؔ کے لیے وہ ایک جمالیاتی پیکر ہے؛ اسی لیے وہ پھولوں، گیتوں، خوشبوؤں، نظموں میں محسوس ہوتا ہے، تاہم اس کا محسوس ہونا ایک بحرِ بیکراں کا محسوس ہونا ہے. یہ حد کے اندر لامحدود کو محسوس کرنے کا صوفیانہ احساس ہے۔ یوسف خالدؔ کی نظم میں جو رجائیت پیدا ہوئی ہے، اس کا اصل باعث اس پیکرِ خوش نما کو جا بجا دیکھنا ہے۔ وہ ایک روشنی کی صورت سب اندھیروں کو دور کرتا ہے۔ یوسف خالدؔ کی نظم 'دیا جل رہا ہے' میں اس یقین کا اظہار ملتا ہے کہ خواہ کس قدر کڑے حالات ہوں، ایک دیا ضرور جلتا رہتا ہے۔ روشنی کا ایک ننھا سا نکتہ، تاریکی کے مہیب وجود کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

یوسف خالدؔ کی نظموں کی زبان مانوس ہے، مگر کلیشے نہیں۔ ان کی لفظیات نامانوس ہیں، نہ استعارے اور تمثالیں اجنبی قسم کی ہیں۔ مانوس لفظیات کو کلیشے ہونے سے جو چیز بچاتی ہے، وہ ان کا نئے تناظر میں استعمال ہے۔ مثلاً جدید نظم میں 'ہوا' کا استعارہ اتنا استعمال ہوا ہے کہ اب یہ کلیشے لگنے لگا ہے۔ یوسف خالدؔ نے بھی کئی نظموں میں ہوا کا استعارہ برتا ہے، مگر اسے کلیشے نہیں بننے دیا۔ یعنی انھوں نے ہوا کو مخصوص استعاراتی مطالب میں استعمال کیا ہے۔ وہ ہوا کو استعارہ بناتے ہوئے، خود ہوا کی معروف خصوصیات کا لحاظ بھی رکھتے ہیں۔ استعاراتی مفہوم، انہی معروف و معلوم خصوصیات کے بطن سے غیر محسوس انداز میں برآمد ہوتا ہے۔ نظم 'ہوا گلیوں میں' میں ہوا ایک

برہنہ سر، برہنہ پا مسافر کی طرح ہے؛ اسے خود خبر نہیں کہ وہ کس اندھے سفر میں ہے؛ وہ کہیں خوابیدہ چنگاری کو جگاتی ہے، اور کہیں لوگوں کی سانسوں میں تعفن گھولتی ہے؛ وہ مسلسل حرکت، مسلسل تماشا، مسلسل سفر اور مسلسل ہر شے کو جاننے، خواب بانٹنے اور دکھ اٹھانے، دہشت زدہ ہونے کا استعارہ ہے؛ وہ کثیر شناختوں کی حامل ہستی ہے۔

یہ کس اندھے سفر میں ہے
کہاں سے ہو کے آئی ہے
کہ اس کی آنکھ میں ویرانیوں کی داستانیں ہیں
لبوں پر نوحہ خوانی ہے
عجب سے روپ میں ہے
پیرہن بارُود کی بُو سے بھرا ہے
ہوا دہشت زدہ ہے
چارسُو ٹکراتی پھرتی ہے

اُمید ہے یوسف خالؔد کی نظموں کا یہ مجموعہ بھی اہلِ نظر کے حلقے میں اعتبار حاصل کرے گا۔

ناصر عباس نیّر

لاہور، ۷ جون ۲۰۱۵ء

شام سے میری بات ہوئی ہے!

آج سویرے
شام سے میری بات ہوئی ہے
اس نے کہا ہے
اپنے سارے کام سلیقے سے نمٹا لو
یادوں کے انبار کو دیکھو
ان کی بھی تفصیل بنا لو

کچھ یادیں ایسی بھی ہوں گی
جن کو شاید تم یہ چاہو
آنے والا وقت کبھی بھی
ماضی میں دفنا نہ پائے
ایسا کر لو
ان کو کوئی ٹیگ لگا کر
ایسی الماری میں رکھ دو
جس کو کوئی کھول نہ پائے
اس الماری کی اک چابی
کمرے کے گلدان میں رکھ دو
جس نے تم کو خواب دیے ہیں
یادوں کا سامان دیا ہے
جس کی خاطر تم نے سارے
لفظوں، رنگوں، خوشبوؤں کو
نظموں کا عنوان دیا ہے
اس کو پتا ہے
کمرے کے گلدان میں کیا ہے
دیکھو!

جو کچھ بھی کرنا ہے
جلدی جلدی سے نمٹا لو
وقت کا پہیہ گھوم رہا ہے
لمحوں کو تصویر بنا لو
یوں لگتا ہے
جیسے اس نے جان لیا ہے
میں نے سارے کام ادھورے چھوڑ دیے ہیں
اس کو آنے کی جلدی ہے
یوں کرتا ہوں
جو ہونا ہے
ہو جانے دو
سارے کام ادھورے چھوڑ کے سوجاتا ہوں
اس کو آنا ہے تو آئے

اَبھی فرصت نہیں ہے!

اَبھی لفظوں کی پَوروں میں چُبھن ہے
درد کا احساس زندہ ہے
اَبھی میرے لبوں پر گیت جتنے ہیں
ادھورے ہیں
اَبھی ہر سوچ ساکت ہے
اَبھی معنی کی دنیا میں کوئی منظر نہیں اُبھرا
اَبھی یہ گفتگو بھی بوجھ سا محسوس ہوتی ہے
اَبھی ہر زخم تازہ ہے
اَبھی آنکھوں میں کچھ ٹوٹے ہوئے خوابوں کے ریزے ہیں
اَبھی پاؤں کے چھالے مُندمل ہونے نہیں پائے

اَبھی یادوں کے زنداں میں مقید روح کو آزاد ہونا ہے
اَبھی کچھ ان کہے لفظوں کو تصویروں میں ڈھلنا ہے
اَبھی موسم نہیں بدلا، ابھی ساون نہیں آیا
اَبھی یہ زخم بھرنے ہیں
اَبھی اک عہد ہے جس کو بہر صورت نبھانا ہے،
اَبھی فرصت نہیں ہے
دستکیں دیتی ہوا
میں معذرت خواہ ہوں

اَدھورے خواب

اَدھورے خواب
تشنہ آرزوئیں
نامکمل داستانوں کے کئی اَنبار
جانے کب سے
اِس دھرتی پہ بسنے والے لوگوں کا مقدر ہیں
محبت کی فراوانی
طلبگاری کی خواہش بھی
اگرچہ اِک حقیقت ہے
مگر پھر بھی
دِلوں پر بوجھ سا کیوں ہے؟

یہ آنکھوں میں نمی کیا ہے؟
زمیں والوں کا دامن
ہر خوشی سے ہر مسرت سے تہی کیوں ہے؟

لوبان

اے میرے تخئیل!
میرے لفظوں کی رِدا اوڑھنے والے
مٹی میں ملا تھوڑا سا صندل کا برادہ
پھر پانی میں یوں گوندھ کہ
مٹی کا مقدر
اِس طور سنور جائے
کہ جب چاک پہ آئے
مٹی کو ملے
رنگوں کا، خوشبو کا لبادہ
یوں مٹی کی رگ رگ میں اُتار اپنی ریاضت

حیرت میں ملا حسنِ تیقن کی حلاوت
خوابوں کی حسیں وادی سے لا خواب اُٹھا کر
احساس کو پھولوں کی طرح جلوہ نما کر
تجسیم کی ہر پور میں خواہش کی نمو رکھ
جذبے کے حسیں ہونٹوں پہ اَمرت کا سبو رکھ
شہکار ہو تخلیق ترے دستِ ہنر سے
دے آنچ اُسے پیار کا لوبان جلا کر
رکھ اس کے لیے اپنے در و بام سجا کر
اے خواب دریچوں سے مجھے جھانکنے والے
اب میرے حسیں خوابوں کو
مفہوم عطا کر

خوشبو

محبت آرزو کی شاخ سے پھوٹی ہوئی کونپل
محبت آہٹوں کی کھوج میں نکلی ہوئی خوشبو
محبت چاندنی راتوں میں کوئی بانسری کی لَے
محبت شبنمی احساس میں لپٹی ہوئی خوشبو
محبت موسمِ برسات کا بھیگا ہوا منظر
محبت دامنِ اُمید میں اُتری ہوئی خوشبو
محبت آنگنوں میں کھیلتے بچوں کی سرشاری
محبت رشتہ و پیوند میں رکھی ہوئی خوشبو
محبت بے نہایت وسعتوں کا مرکزی نقطہ
محبت دائرے کے بھید میں پھیلی ہوئی خوشبو

محبت روشنی تقسیم کرنے کے ہُنر جیسی
محبت نرمیٔ گفتار میں ٹھہری ہوئی خوشبو
محبت جانب در دیکھتی آنکھوں کی بے تابی
محبت کوچۂ دلدار سے آئی ہوئی خوشبو
محبت اَدھ کھلی کلیوں میں اک پلتی ہوئی مستی
محبت حسن کے پلو سے اِک باندھی ہوئی خوشبو
محبت صورتِ بادِ بہاری نرم رو جھونکا
محبت مدھ بھرے ماحول میں چھائی ہوئی خوشبو
محبت راستی ، ایثار و قربانی ، وفاداری
محبت باہمی احساس میں بانٹی ہوئی خوشبو
محبت خون میں ہر دم سُلگتی آگ کی صورت
محبت کوزہ گر کے ہاتھ سے گوندھی ہوئی خوشبو
محبت شعر کے آہنگ میں اُترا ہوا جادو
محبت نقش گر کے ذہن کی سوچی ہوئی خوشبو
محبت عالمِ لاہوت سے اُترا ہوا تحفہ
محبت لفظِ کُن کے اذن سے مہکی ہوئی خوشبو

ایک جیسے رنج وغم ہیں

ایک جیسے رنج وغم ہیں، ایک جیسی راحتیں
ایک سے کردار سارے، ایک جیسی عادتیں
روٹھنا بھی ایک جیسا، ایک جیسا ماننا
روز وشب بھی ایک جیسے ایک جیسی ساعتیں
خواب بھی یکساں سبھی کے، خواب کی تعبیر بھی
ایک جیسی سب لکیریں ایک سی تقدیر بھی
ایک سے احساسِ آزادی کے متوالے سبھی
اور یہ احساس سب کے واسطے زنجیر بھی
بند آنکھیں دیکھتی ہیں سارے منظر ایک سے
راستے مسدود سب کے سارے بے گھر ایک سے

خواب بُننا، خواب کی صورت گری کا سوچنا
جوڑنا پھر توڑنا پھر سے دوبارہ جوڑنا
یہ محبت کی کہانی، یہ محبت کی کتاب
ہر گرفتارِ محبت کے لیے یکساں نصاب

اَبھی کچھ خواب زندہ ہیں

بہاریں روٹھنے کو ہیں
فضاؤں میں مسلسل زہر بھرتا جا رہا ہے
بے یقینی ہے
کسی صورت
یہ ممکن ہو تو آ جاؤ
کہ کچھ گھڑیاں اِکٹھے بیٹھ کر باتیں کریں
احساس کی تنگ دامنی کو
چند لمحوں کے لیے
اُن ذائقوں سے آشنا کر دیں
جو پہلی بار ملنے پر

ہماری آنکھ کے رستے
ہمارے دل میں اُترے تھے
یہ لمحے بھاگتے لمحے صبا رفتار ہیں
لیکن غنیمت ہیں
چلے آؤ
کہ آنکھوں میں
اَبھی کچھ خواب زندہ ہیں
اُنھیں مرنے سے پہلے
خوش دِلی سے بانٹ لیتے ہیں
کہ یہ لمحے غنیمت ہیں

فائلیں

بہت سی فائلیں جن میں
مرے گزرے ہوئے دِن
جاگتی راتیں
ادھورے خواب ہیں
میں نے بڑی ترتیب سے
کمرے کی الماری میں رکھی تھیں
بہت دن ہو گئے
ان فائلوں کو کھول کر دیکھا نہیں میں نے
کہ الماری مقفل ہے
مرے کمرے کی ساری چابیاں!!!
گم ہو گئی ہیں!!

پہاڑی راستہ

پہاڑی راستہ ہے
ہر قدم پر موڑ ہیں، دشواریاں ہیں
مسافر کو مسافت کی لگن رُکنے نہیں دیتی
کہ آنکھوں میں
کسی اَن دیکھے منظر کا تصور
خواب کی صورت دمکتا ہے
کہیں کچھ دور
اِک چھوٹی سی کٹیا میں
دیئے کی روشنی ہے
سماعت

بانسری کے بول کی لذّت میں
ہر آہٹ سے، ہر آواز سے بے زار لگتی ہے
لبوں کی گنگناہٹ
بانسری کی لے میں شامل ہوتی جاتی ہے
مسافر چلتا جاتا ہے
مسافر کے قدم رُکتے نہیں
کہ سامنے ہموار وادی ہے
جہاں پر پھول ہیں، خوشبو ہے، سبزہ ہے
دیئے کی آفتابی روشنی ہے
تھکن اوڑھے مسافر
جب بھی اس وادی میں اُترے گا
تو کوئی منتظر ہوگا

تجسیم

پھول جس کی صباحتوں کے امیں
رنگ جس کے لباس کی اُترن
خال وخد ہیں کہ دیکھ کر جن کو
دل سراپا سوال بن جائے
کیسے تصویر بول اُٹھے گی
کیسے لفظوں میں جان آئے گی
کیسے اُترے گا آنکھ میں منظر
آنکھ کیسے سنبھال پائے گی
سوچتا ہوں تو اپنی سوچوں پر
گہری چُپ کا گمان ہوتا ہے
ایک حیرت ہے اِک تیقن ہے
ایک سایہ ہے جو قرینے سے
اپنی تجسیم کرتا جاتا ہے

پیکر

تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں
تمہارے ہونٹوں کے حاشیے پہ
لکھے ہوئے یہ وفا کے نغمے
تمہارے شانوں پہ بکھری زلفیں
تمہاری قوسِ قزح سی رنگت
یہ جسم جیسے کہ خوشبوؤں کو
کسی نے پیکر عطا کیا ہے
یہ چال جیسے کہ بے نیازی کو
چلنا کوئی سکھا گیا ہے
یہ رنگ سارے، روش روش پہ کھلے ہوئے، یہ گلاب سارے

یہ حسنِ فطرت کا سارا جادو
یہ خوشبوؤں کا دِیار سارا
یہ موسموں کا خُمار سارا
تمھارے پیکر میں گُھل گیا ہے
تمھارے ہونٹوں کی مسکراہٹ،
تمھاری آنکھیں، تمھارا چہرہ،
یہ بے تکلف سا شوخ لہجہ
مرے تخیّل کو چپکے چپکے
کوئی کہانی سنا رہا ہے
حسین سپنے سجا رہا ہے
میں دم بخود ہوں
میں سوچتا ہوں
یہ تم نہیں ہو تو کون ہے جو
گریز پا بھی ہے ساتھ بھی ہے
تمھیں خبر ہو تو
تم بتاؤ!

خوش پوش

جن کے تن پہ ہیں رنگیں قبائیں
گیت گاتی ہیں جن کے ہوائیں
شبنمی غسل جن کا مقدر
خوشبوئیں جن کے سر کی ردائیں
صبحِ نو جن کے ماتھے کو چومے
شام لیتی ہے جن کی بلائیں
ایسی معصوم خوش پوش کلیاں
حسنِ فطرت کی دلکش ادائیں
زندگی کے حسیں رنگ ہیں یہ
ان کے دم سے معطر فضائیں

زندگی بانٹتی پھر رہی ہے
چار سو موسموں میں وفائیں
کوئی آئے کسی طور آئے
دِے رہی ہے محبت صدائیں

اُجالا

حسیں رنگوں سے خوشبو سے
معطر خوشنما منظر
تری آنکھوں کی زینت ہیں
ترے عارض پہ صبحِ نو
سلیقے سے نفاست سے
عجب ایک دلکشی کی داستاں تحریر کرتی ہے
ترا چہرہ
کہ جس کے خال وخد میں سحر ہے
اِک استعارہ ہے محبت کا
ترا چہرہ ترے ہر خواب کی تعبیر لگتا ہے

یہ تیرے ہونٹ جن پر
شبنمی احساس میں لپٹی ہوئی
اِک مسکراہٹ!
راج کرتی ہے
یہ پیشانی!
کہ جس پر نقش ہیں
تیرے مقدر کی حسیں صبحیں
ترے جذبے ترے احساس کو تصویر کرتی ہے
گماں ہوتا ہے جیسے
یہ ترا نکھرا ہوا پیکر
اُجالا ہے محبت کا
ترا یہ خوبرو پیکر
کسی تصویر کی صورت مری پلکوں پہ رقصاں ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
کہ میرے سامنے تو ہے
یا کوئی خوبصورت خواب ہے
اور خواب میں تو ہے
مری خواہش ہے میں کچھ دیر

تیرے خواب کو اوڑھوں
ترے نکھرے ہوئے پیکر کی
اِک اِک پور میں احساس کی صورت اُتر جاؤں
تری خوشبو چُرا لوں
اور گہری نیند سو جاؤں
کہو!
کیا ایسا کر لوں
کیا مجھے ایسی جسارت کی اجازت ہے

رقص جاری ہے

خزاں رُت ہے
درختوں پر کوئی پتا سلامت ہے نہ ہریالی
عجب لاحاصلی کا استعارہ ہے یہ پت جھڑ بھی
زمیں پر ہر طرف بے جان پتے
زرد موسم کی گواہی دے رہے ہیں
رقص جاری ہے
اَجل کا رقص جاری ہے
مگر کچھ دور تھوڑے فاصلے پر
ہوائیں سبز رُت کی شال اوڑھے
حیاتِ نو کی خوشبو سے معطر
بہت سے خوبصورت رنگ دامن میں لیے
اذنِ سفر کی منتظر ہیں

تزئین

خواب پلکوں پہ جھلملاتے ہیں
آنکھ کی پتلیوں میں ہلچل ہے
ایک دھارا ہے بہتے رنگوں کا
نکہت و نور کی حویلی میں
حسنِ فطرت ہے اپنے جوبن پر
رنگ، خوشبو کا راج ہے ہر سُو
ایسا لگتا ہے
جیسے دھرتی کو
تازہ پھولوں سے، شوخ رنگوں سے
ایک دلہن بنا دیا اس نے
مہرباں اِس قدر ہوئی فطرت
اپنے دامن کو جھاڑ کر اس نے
پھول اِتنے بچھائے راہوں میں
ایک میلہ لگا دیا اُس نے

دُھند

دُھند ہی دُھند ہے
چار سُو دُھند ہے
تا بہ حدِ نگاہ دُھند کا راج ہے
دُور تک دیکھنے کی ضرورت نہیں
جو بھی قربت میں ہے
اِس کو محسوس کر
اِس پہ اپنی توجہ کو مرکوز کر
کیا خبر دُھند کے پار بھی
دُھند ہی دُھند ہو
دُھند کو اوڑھ کر سفر معکوس کر

اپنے اَندر اُتر
موتیوں کے جزیرے کی پہچان کر
اپنی بے مائیگی کی حدوں سے نکل
خود کو خوش حال کر
دُھند کے ہر تصور کو پامال کر

ذرا رُکنا

ذرا رُکنا
یہ موسم تو خزاں کا تھا
یہ پھولوں سے مزیّن رہ گزر کیا ہے؟
یہ کس منظر کا حصہ ہے!
مرے احساس میں کوئی نیا احساس اُبھرا ہے
یا کوئی اور ہے جس نے
بدلتے موسموں سے ماورا
کوئی نیا موسم اُتارا ہے
کہ میری آنکھ میں جتنے ادھورے خواب تھے
وہ خواب پھر سے جاگ اُٹھے ہیں

ذرا سوچو

ذرا سوچو
کہ بِن دیکھے
کسی منظر کو آنکھوں میں سجا کر
آرزوؤں کا جہاں آباد کر لینا
کہیں تتلی، کہیں جگنو
کہیں کلیاں، کہیں شبنم
کہیں پر پھول رکھ دینا
پھر اس منظر سے
اپنے رتجگے آباد کر لینا
ذرا سوچو
یہ کیسا تجربہ ہے

رفاقت

رفاقت چار دن کی ہو،
رفاقت عمر بھر کی ہو،
فقط احساس بچتا ہے!
یہی احساس سب کچھ ہے
کسی کا نام لینے سے
کسی کو یاد کرنے سے
عجب اِک لہر سی سارے بدن میں پھیل جاتی ہے
جو منظر سامنے ہوتا ہے
وہ منظر نہیں رہتا
ہر اِک شے جیسے رک جاتی ہے

رستہ چھوڑ دیتی ہے
نیا منظر اُبھرتا ہے
جو ماہ و سال گزرے ہیں
وہ لمحوں میں سمٹ کر
روح کی بے اَنت وادی میں
تخیل کو نئے انداز میں مہمیز کرتے ہیں
عجب ہلچل مچاتے ہیں

زندگی

زندگی روز و شب میں مقید بھی ہے
زندگی روز و شب سے الگ بھی کہیں
ایک اُجلے سے احساس کی روشنی
ایک میٹھی حرارت سمیٹے ہوئے
خوشبوؤں میں بسی شال اوڑھے ہوئے
موسموں کے رگ و پے میں اُتری ہوئی
منتظر ہے کہ کوئی سنبھالے اُسے
اُس کے گیسو سنوارے
اُسے پیار سے
پاس اپنے بلا کر کہے!!

زندگی!!
میرے احساس میں دِھیرے دِھیرے اُتر
مجھ کو رشتوں کی ناتوں کی پہچان دے
میرے اَندر اُتر
میرے اَندر سے سب نفرتیں صاف کر
مجھ کو جینے کی کوئی ادا بخش دے
میرے احساس کو، میرے کردار کو
رنگ، خوشبو، سلیقہ، وفا بخش دے

خوش قدم

ساحرانہ نظر، عنبریں خال وخد
آنکھ خوابوں کو تصویر کرتی ہوئی
ہونٹ لفظوں کو توقیر دیتے ہوئے
زلف کے پیچ وخم
خواہشوں کی طرح
گاہ اُلجھے ہوئے، گاہ سُلجھے ہوئے
چال صبح کی ٹھنڈی ہوا کی طرح
خوش قدم، خوش ادا
گفتگو جیسے جھرنے کی موسیقیّت
پیرہن جیسے رنگوں کی تجسیم ہو

پیکرِ خوش نما!
تیرے قامت کی جادوگری
الاماں!
تُو ہے قوسِ قزح
تُو ہے کھلتی ہوئی چاندنی کی طرح
تیرے ہونٹوں پہ کلیوں کی مسکان ہے
تیرے لہجے میں جینے کا سامان ہے
میرے حسنِ تخیّل کی ہے جان تو
میرے الفاظ میں بانکپن تجھ سے ہے
میرے جذبوں کی ساری پھبن تجھ سے ہے
مجھ کو تسلیم ہے پیکرِ خوشنما
تو ہے میرے تخیّل کی حد سے پرے
میرے ادراک سے ماورا.........ماورا
مجھ کو تسلیم ہے پیکرِ خوشنما ....

دِن نکل آیا

ستارہ صبح کی دہلیز تک آیا
کسی سورج کی کرنوں کے طلوع ہونے سے پہلے
چند لمحوں کے لیے ٹھہرا
نئے روشن سویرے کو سلامی دی
مسافت کی تھکن کو بھول کر
اِک گہری لمبی سانس لی
اور چپ کی چادر اوڑھ لی
پھر نور پھیلا
روشنی کے ہاتھ میں جتنے ادھورے خواب تھے
تکمیل کی جانب بڑھے

کردار اُبھرے
اَنگنت رنگوں سے
خوشبو سے
فضا میں دلکشی پھیلی
ستارے کی ریاضت کا جنوں
ماحول کی رگ رگ میں اُترا
دِن نکل آیا

سمندر آنکھ کے رستے

سمندر آنکھ کے رستے
مرے دل میں اُتر آیا
کہا:
یہ کیسی دنیا ہے؟
یہاں تو وسعتیں ہی وسعتیں ہیں
مجھے معلوم کب تھا
مجھ سے بڑھ کر بھی کہیں گہرائیاں ہیں
یہاں تو جس طرف دیکھو
کنارے تک نظر جاتی نہیں ہے
یہ کیا حیرت کدہ ہے

صدائیں جس قدر ہیں
خامشی میں ڈوب جاتی ہیں
عجب مد و جزر ہے
ساحلوں پر
سیپیوں سے موتیوں کی مُستقل برسات ہوتی ہے
مَیں
بھیگی آنکھ کے جس راستے سے
اِس نگر میں آن اُترا ہوں
یہاں بھی بے نہایت وسعتیں ہیں
کئی منظر سجے ہیں خواب کی صورت
یہ پلکوں پر اُترتے شبنمی احساس میں لپٹے ہوئے موتی
یہ آنکھوں میں بسی جھیلیں
کوئی پیغام دیتی ہیں

بارش کی بات سُنتے ہیں

صبحِ دم آج میری کھڑکی پر
اُس نے ہلکی سی دستکیں دے کر
مجھ سے پوچھا
کہ کیا ارادہ ہے؟
آج کمرے میں ہی رہو گے کیا؟
یا کسی طور چھوڑ کر بستر
یہ جو موسم بدل رہا ہے ابھی
یہ جو کالی گھٹائیں چھائی ہیں
یہ جو ساون بلا رہا ہے ہمیں

اس کی باتیں بھی سننا چاہو گے!
میں کہ تنہا ہوں
اور یہ موسم
میری حالت پہ ہنستا جاتا ہے
کیا تمہیں میرا کوئی پاس نہیں
آؤ!
بارش میں مل کے بھیگتے ہیں
آؤ!
بوندوں کا رقص دیکھتے ہیں
آؤ نا دیر ہو نہ جائے کہیں
آؤ!
بارش کی بات سُنتے ہیں
دیکھو!
اب اور امتحان نہ لو
مجھ کو بارش کی آرزو تھی بہت
دیکھو!
کالی گھٹائیں چھائی ہیں
دیکھو!

کیسا حسین منظر ہے
آؤ جلدی سے میرے ساتھ چلو
آؤنا ....
آ بھی جاؤنا
دیکھو!
اَب اگر تم نے بات نہ مانی
دیکھ لینا کہ میری آنکھوں میں
پھر یہ منظر کبھی نہ دیکھو گے
پھر گھٹائیں کبھی نہ چھائیں گی
پھر یہ ساون کبھی نہ آئے گا

ہوا سرشار ہے

عجب اِک والہانہ رقص میں ہے
چار سُو اِٹھلاتی پھرتی ہے
گھٹے ماحول کے جلتے ہوئے سب منظروں میں
خُنکیاں تقسیم کرتی پھر رہی ہے
کبھی بادل کو چُھو کر
اپنے پیاسے ہونٹ تر کرتی ہے
آنکھیں میچ لیتی ہے
کبھی
دھرتی کو مس کرتی ہے
اس کی مانگ میں سندور بھرتی ہے

ہوا سرشار ہے
بادل سے ہم رشتہ ہے
سرتاپا تعلق کے حسیں احساس میں بھیگی ہوئی ہے
لبوں پہ گیت ہیں آنکھوں میں مستی
چال میں وارفتگی ہے

بے نیازی ہے
اُدھر ساون کے پہلو میں گھٹا انگڑائیاں لینے لگی ہے
سُلگتی، پیاس سے دم توڑتی دھرتی میں اَمرت گھلنے والا ہے
مسلسل آگ برساتے ہوئے سورج کو رُخصت مل گئی ہے

ہوا، بادل، گھٹا، ساون
نئی رُت کا سندیسہ لا رہے ہیں

دِیا جل رہا ہے

کبھی اِک نظر آ کے دیکھو، تو جانو
کہ اَندھی مسافت نے
تیرے مسافر کو
تیری طلب میں
تری رہ گزر میں
کڑی دھوپ میں لا کھڑا کر دیا ہے
رِدا چھین لی ہے
نہ آگے کی جانب قدم بڑھ رہے ہیں
نہ پیچھے پلٹنے کی ہمت رہی ہے
نہ آنکھوں میں آنسو

نہ ہونٹوں پہ آہیں
نہ سانسوں میں حدّت
نہ جذبوں میں شدّت
تہی دامنی ہے
رگوں میں لہو ہے
مگر جم رہا ہے کہ یخ بستگی ہے
یہ کیا مرحلہ ہے؟
یہ کس موڑ پر آ گیا ہے مسافر!
کوئی زندگی کا حوالہ نہیں ہے
مگر ایک احساس اَب بھی ہے زندہ
کہ شاید کہیں پہ دیا جل رہا ہے

رِدا

کسی صورت
کوئی آہٹ، کوئی آواز
گہری خامشی کو
لرزہ براندام نہ کردے
فضا کی بے شکن چادر
کہیں ایسا نہ ہو، آواز کی شکنوں سے بھر جائے
ہوا کو بھی خبر نہ ہو
عجب احساس ہے، جس کی
رِدا اوڑھے ہوئے کوئی
دبے پاؤں چلا آتا ہے

پل بھر کے لیے
چُپکے سے
ہر منظر کو چُھو کر دیکھتا ہے
بے صدا ماحول میں بکھرے ہوئے الفاظ کی
سرگوشیاں محسوس کرتا ہے
کہیں سے درد چُنتا ہے
کہیں سے گزرے پل کی راحتیں جھولی میں ڈالے
خامشی سے، یاد کی بستی میں واپس لوٹ جاتا ہے
مگر جانے سے پہلے
چند لمحوں کے لیے
پیچھے پلٹ کر دیکھتا ہے
اور اپنے اَن کہے لفظوں سے
خوشبو کی طرح
احساس پر ہلکی سی دستک چھوڑ جاتا ہے

کشادہ رہ گزر ہے

کشادہ رہ گزر ہے
دونوں جانب دور تک سبزہ بچھا ہے
مناسب فاصلوں پر
مختلف رنگوں کے پھولوں سے مزیّن لان ہیں
راہداریاں ہیں
زندگی ہے
زندگی کے کچھ حسیں پل
اپنے ہاتھوں میں
محبت سے سجے پھولوں کے گلدستے لیے
بے خواب آنکھوں میں

کسی گزرے سہانے وقت کی تصویر جیسے ہیں
ہواؤں میں رچی خوشبو
کسی کے خوبصورت پیرہن کو چھو کے آئی ہے
عجب انداز سے اِترا رہی ہے
سامنے پھیلے ہوئے منظر کی اِک اِک چیز کو
مس کرتی جاتی ہے
معطر کرتی جاتی ہے
کشادہ رہ گزر ہے،
زندگی ہے، زندگی کے کچھ حسیں پل ہیں
ہواؤں میں رچی خوشبو
کسی پیکر کی شانِ دِلرُبائی کا حوالہ ہے

حوالہ

کہا اُس نے
ترے لفظوں میں جادو ہے، تُو ساحر ہے
کہا میں نے
کہ یہ الفاظ پہناوا ہیں، اُس احساسِ قربت کا
جو تیرے ساتھ گزرے وقت کے لمحوں نے بخشا ہے
مرے الفاظ کی توقیر قائم ہے
مرا احساس زندہ ہے
میں اپنی ذات کے معبد میں مشغول عبادت ہوں
وہاں بھی لفظ ہیں، احساس ہے
اور روبرو اِک ایسا پیکر ہے

کہ جس کے سامنے جادوگری بھی ہیچ لگتی ہے
سوتم نے کہہ دیا
میں مان لیتا ہوں، مرے لفظوں میں جادو ہے
مگر یہ مان لو تم بھی
کہ اِس جادوگری میں تم بھی شامل ہو
تمہاری ذات
اپنے خال وخد، اپنے سراپے میں
مرے جادو کا حصہ ہے
کبھی خود کو جُدا کر کے مرے لفظوں کو دیکھو تم
تو شاید جان جاؤ گی
کہ یہ الفاظ بے معنی سے لگتے ہیں
اگر ان کا حوالہ ان سے چھن جائے
کسی دن سوچنا تم بھی
یہ ساحر کون ہے؟
یہ کیسا جادو ہے؟
تمہارے حسن کو تصویر کرنا
کیا کسی جادو سے کم تر ہے
کسی دن سوچنا تم بھی!!

کہا میں نے

کہا میں نے
کہ جو تم سوچتے ہو اور جو محسوس کرتے ہو
اُسے لفظوں کی صورت
کیوں لبِ اظہار تک آنے نہیں دیتے ؟
کہا اُس نے
کبھی دیکھا ہے تم نے
پھول کیسے بات کرتے ہیں؟
کبھی شبنم کی بوندوں سے
کبھی رنگوں سے، خوشبو سے،

کبھی بادِ صبا سے بات کی ہے!
کہا اُس نے
کبھی چُپ کی ردا کو اوڑھ کر دیکھو
تو تم بھی جان جاؤ گے
کہ گہری چُپ کے عالم میں دلوں پر کیا گزرتی ہے؟
نگاہیں چار سُو کیا ڈھونڈتی ہیں؟
رتجگے کیا ہیں؟
کہا اُس نے
یہ میری خامشی بھی تو کئی مفہوم رکھتی ہے
کہا میں نے
کہ ہاں بالکل، مجھے اب کچھ نہیں کہنا
یہ سب الفاظ، سارے رنگ، ساری خوشبوئیں لے لو
اور اپنی گہری چُپ کا یہ اثاثہ
اِن کے بدلے میں مری جھولی میں ڈالو
میں کہ اِک مدت سے اپنا خالی دامن لے کے پھرتا ہوں
مرے دامن کو بھر دو
گفتگو کو اِک نئی صورت عطا کر دو

کہانی کے مناظر

کہانی کے مناظر
آنکھ کی راہداریوں سے
خواب گاہوں میں اُترتے ہیں
تو آنکھیں دیکھنے کے سب وظیفے چھوڑ دیتی ہیں
نئی آنکھیں، نئے منظر
نئے چہرے اُبھرتے ہیں
ادھوری خواہشیں
تجسیم کی چوکھٹ پہ آتی ہیں
تو پلکیں مُوقلم سے
ایسی تصویریں بناتی ہیں
جنہیں پھر ڈھونڈنے میں
جاگتی آنکھوں کی عمریں بیت جاتی ہیں

مثالِ آئینہ ہوں

مثالِ آئینہ ہوں
جو بھی میرے سامنے آتا ہے
میری ذات کا
کوئی حوالہ اوڑھ لیتا ہے
وہ جتنی دیر، جتنا وقت،
میرے روبرو رہتا ہے
یہ محسوس کرتا ہے
کہ اُس کی ذات مرکز ہے
یہ سارے خواب،
ساری آرزوئیں اُس کے دم سے ہیں

مگر جب پیچھے ہٹتا ہے
تو شاید بھول جاتا ہے
کہ وہ اَب وہ نہیں
اُس کا بہت کچھ آئینے کے پاس ہے
اور آئینے کا ایک حصہ ہے
یہ عکسوں کی کہانی ہے
تمہیں بھی یاد ہو گا
تم بھی اِک دِن آئینے کے روبرو کچھ دیر ٹھہرے تھے
کبھی تنہائی میں
اُس وقت کا احوال اپنے ذہن میں لاؤ
وہ سارے خواب، ساری آرزوئیں سامنے رکھو
تو تم بھی جان جاؤ گے
کہ تم بھی بے خیالی میں بہت کچھ
آئینے میں چھوڑ آئے ہو
اگر چاہو!
تو آ کر دیکھ لو
سب کچھ سلامت ہے

تخئیل کی ریاضت

مرے الفاظ اَب نوکِ قلم پر ہیں
مگر میں سوچتا ہوں
کس طرح وہ خال وخد تحریر میں لاؤں
جو مری آنکھ سے اوجھل ہیں
ان کو کس طرح پیکر عطا کر دوں؟
وہ چہرہ!! کیسا چہرہ ہے
وہ آنکھیں!! کیسی آنکھیں ہیں
لبوں کی قوس کیسی ہے
وہ عارض کس قدر ہیں خوبصورت
کیسے لگتے ہیں

بدن کے زاویے کیسے ہیں
مخروطی اُٹھانیں کیسی لگتی ہیں
گھنے بالوں کا کیا انداز ہے
سُلجھے ہوئے ہیں یا
حسیں شانوں پہ بکھرے ہیں
یہ سب کچھ سوچنا آسان بھی
دشوار تر بھی ہے
تخیّل کے لیے مشکل نہیں
لیکن یہ مشکل ہے
کہیں ایسا نہ ہو وہ خوبرُو
میرے تخیّل سے زیادہ خوبصورت ہو
کہیں ایسا نہ ہو میرا ہنر
میرے تخیّل کی ریاضت
مسترد کر دے

مسافر ہوں

مسافر ہوں
کسی اَن دیکھے، انجانے سفر میں ہوں
کہیں رستے میں تھوڑی دیر رُکتا ہوں
تو چاروں اور پھیلے منظروں سے
ایک ہی آواز آتی ہے
کہ ہم بھی زندگی ہیں!
ہمارے ساتھ کچھ لمحے بتاؤ
ہمیں بھی
ایک مدت سے یہ خواہش ہے
کہ کوئی اس طرف آئے

ہماری بھی کہانی کو کوئی عنوان دے جائے
مسافر تو سفر میں ہے
مسافر کے لیے رُکنا
بھلا کیسے مناسب ہے
مسافر گرچہ ہر منظر کا حصہ ہے
مگر یہ بھی حقیقت ہے
کہ اس کی آنکھ میں بس ایک ہی منظر ہے
جس کی جستجو
اس کو کہیں رُکنے نہیں دیتی
یہی بس ایک اَنجانا سا منظر ہے
جو آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا
اسی اُجلے سے منظر میں ہر اِک منظر
کہانی کی طرح موجود رہتا ہے
مسافر تو سفر میں ہے!!

تجھے نظمیں سُناتا

مقدر کے کسی ساحل پہ ننگے پاؤں چلنے،
خواب منظر ریت پر تصویر کرنے،
اور پھر آنکھوں میں منظر نقش کرنے کی
تری خواہش کو میں تسلیم کرتا
اور چپکے سے
تری بانہوں میں بانہیں ڈال کر
میلوں ترے ہمراہ چلتا
تجھے نظمیں سناتا، گیت گاتا
اور دھیرے سے
تری زلفوں کے پیچ و خم سے میں اٹھکیلیاں کرتا

کبھی ان کو میں سُلجھاتا،
کبھی ان کو میں اُلجھاتا
تجھے بانہوں میں بھر لیتا
محبت کے تقاضوں کو نبھاتا
کہیں جب دور سے بے تاب لہریں
آ کے ساحل سے گلے ملتیں
تو میں بھی بے خودی میں
تجھ کو سینے سے لگا لیتا
سمندر دیکھتا
اور دیکھ کر ہم کو محبت کی دعا دیتا
کسی دن کاش ایسا معجزہ بھی رونما ہوتا
کسی دن کاش اپنے خواب کو تعبیر مل جاتی
کسی دن کاش!

مکاں خالی ہے

مکاں خالی ہے لیکن
پھر بھی جانے کون ہے
جو دستکیں دیتا ہے
تھوڑی دیر رُکتا ہے
بہت کچھ سوچتا ہے
سوچ کر پھر لوٹ جاتا ہے
یہی معمول ہے اس کا
وہ شاید جانتا ہے
دستکیں!!
احساس کے در کھول دیتی ہیں

اسے یہ بھی یقیں ہے کہ مکاں خالی نہیں
آباد ہے
یہ خالی پن بھی ایک دھوکہ ہے
دبے قدموں سے گزرے پل
چلے آتے ہیں چوکھٹ پر
سُنہرے دن
حسیں خوابوں کی خوشبو سے مہکتی
انگنت راتیں
مقفل در پہ سجدہ ریز رہتی ہیں
یقیں
یادوں کی گہری دُھند میں بھی سانس لیتا ہے
یہ پیہم دستکیں
احساس کو مرنے نہیں دیتیں

میں حرفوں سے عبارت ہوں

میں حرفوں سے عبارت ہوں
مرے یہ حرف
اپنی صوت، اپنا نام اور پہچان رکھتے ہیں
مگر جب مجتمع ہوتے ہیں تو
اِک لفظ بنتا ہے
مجھے اس لفظ سے اپنی الگ پہچان ملتی ہے
یہی اک لفظ ہے جس نے
مجھے معنی کی دنیا میں
ہمیشہ اک نئے احساس کی خوشبو سے
ہم رشتہ بنایا ہے

مجھے الفاظ کی تکریم سے وابستہ رکھا ہے
مجھے اپنے پرائے کو سمجھنے کے لیے تہذیب بخشی ہے
محبت لفظ ہے میرا
اسی اِک لفظ سے میرے اندھیروں میں اُجالا ہے
یہی پہچان ہے میری
یہی میرا حوالہ ہے

خدا حافظ

میں نے اِک بار
یہ کہا تھا اُسے
''بھول جانے میں ہے کمال اگر
آؤ یہ بھی کمال کر دیکھیں''
وہ خوش دماغ بلا کا ذہین تھا اس نے
یہ بات سُن کے کہا
ٹھیک ہے!، مناسب ہے!
یہ بوجھ جس نے ہمیں
اس قدر تھکایا ہے
اب اس کو اور اُٹھانا محال لگتا ہے
ہم اپنے گزرے دنوں کے سبھی حوالوں کو

سپردِ خاک کریں گے انہیں مٹا دیں گے
سو اس نے ہاتھ ہلایا
کہا!
خدا حافظ ....!
بس اتنی بات تھی، یہ کوئی حادثہ تو نہ تھا
کہ میرے دل نے
کئی روز مجھ سے بات نہ کی
عزیز تر تھی متاعِ ہُنر مگر اس نے
خیال و فکر کی دنیا سے بے رُخی کر لی
اُداس آنکھ نے خوابوں کو الوداع کہہ کر
سُلگتی راہ گزاروں سے دوستی کر لی
وہ با کمال سلامت رہے، سدا جس نے
جو بات میں نے کہی
اس کا احترام کیا
جو کام لگتا تھا مشکل اسے سلیقے سے
بصد خلوص بصد اہتمام کر ڈالا
کمال کرنا تھا اس نے
کمال کر ڈالا

احساس کی تجسیم

نگاہوں سے وہ اوجھل ہے
مگر اس کا سراپا
ہر گھڑی میرے تصور میں
کبھی لہجے کی صورت میں
کبھی نظموں کے مصرعوں میں
کبھی پھولوں کی خوشبو میں
کبھی اِک کینوس پر
مُوقلم کی آڑھی ترچھی رنگ میں بھیگی ہوئی
احساس کی تجسیم کرتی لائنوں میں
اپنے ہونے کی گواہی لے کے آتا ہے

میں اس کو دیکھتا ہوں
دیکھتا ہوں بند آنکھوں سے
اسے میرا تصور روبرو جب لے کے آتا ہے
تو میں اپنے تخیّل سے
اسے پوری طرح محسوس کرتا ہوں
وہ اس کا خوبرو چہرہ
کہ جیسے چاندنی شبنم سے دُھل جائے
وہ اس کی مدھ بھری آنکھیں
کہ جیسے
چارسو پھیلے ہوئے سارے مناظر میں
کوئی مستی سی گُھل جائے
وہ اس کی چال
جیسے
صبح دم بادِ صبا اٹھکیلیاں کرتی ہوئی گزرے
وہ اس کے بال جیسے
شام کے آنچل پہ کالی رات چھا جائے

نہ جانے کون ہے

نہ جانے کون ہے
جو پیڑ کے دم توڑتے سائے میں بیٹھا
گزرے وقتوں کی کہانی
سبز پتّوں کو سُنانے پر مُصر ہے
اسے یہ ضد ہے
کہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے
وہ اک امانت ہے
جسے ہر حال میں اس نے
سَمے کو واپس کرنا ہے
وہ گہرے دُکھ سے ہر پتّے کی رگ رگ میں اُترتے

زہر کی تاثیر کو محسوس کرتا ہے
ہری شاخوں پہ جلتے موسموں کی
آگ برساتی ہوئی یلغار
اس کو بے اماں کرتی ہے
اس کو سائے سے محروم کرتی ہے
مگر وہ مستقل اس سوچ میں گم ہے
کہ کیسے
گزرے وقتوں کے خنک سائے، حسیں موسم
کہیں سے ڈھونڈ لائے
اور ان کو اوڑھ کر
جلتے ہوئے ماحول میں رعنائیاں بھر دے
نئے منظر کو ایسے ذائقوں سے آشنا کر دے
کہ گرد و پیش میں پھیلی ہوئی
یہ بے اماں، کڑوی، کسیلی زندگی میں شہد بھر جائے
وہ گہری سوچ میں ہے
اپنی یادیں اپنے سینے سے لگائے
آندھیوں کے روبرو ہے
اور حسرت سے

شکستہ خواب کی پرچھائیوں کو دیکھتا ہے
آہیں بھرتا ہے
خلاؤں میں نجانے کیسا منظر ہے
کہ اس کی آنکھ بن جھپکے مسلسل دیکھتی ہے
اور پلکوں پر ستارے ٹانک لیتی ہے
نہیں معلوم کہ یہ کون ہے
یہ وہم ہے، میرا تخیّل ہے،
یا پھر تاریخ کے اوراق سے اُبھرا ہوا کردار ہے کوئی
جو میرے روبرو آ کر مجسم ہو گیا ہے

سُنو!

سُنو!
ہم اپنی ساری رنجشیں
اور رنجشوں کی ساری کڑواہٹ
سبھی بیتے ہوئے پل، ساری یادیں
ساری باتیں بھول جاتے ہیں
چلو واپس پلٹتے ہیں
پُرانا اجنبی لہجہ کہیں سے ڈھونڈ لاتے ہیں
نئے انداز سے
بارِ دگر
ہم ایک دوجے کے لیے

اپنے حسیں احساس کو، جذبوں کو
خواہش میں بدلتے ہیں
ذرا سی ہچکچاہٹ، بے قراری، ساتھ رکھتے ہیں
مگر اس آس پر
پھر سے نئے امکان کی بنیاد رکھتے ہیں
کہ ہم احساس کے رشتے کی ساری قربتیں
سب جزر و مد، سارے حسیں موسم
بہم مل کر گزاریں گے
محبت کو
محبت کے سلیقے سے نبھائیں گے
چلو واپس پلٹتے ہیں
سفر معکوس کرتے ہیں
مکمل اجنبی بن کر
نئے رنگوں، نئی خوشبو، نئے احساس میں ڈھل کر
یقیں کی مشعلیں لے کر
دیارِ آشنائی میں اُترتے ہیں
سفر آغاز کرتے ہیں

ہم نے جانا اُسے

ہم نے جانا اُسے
اُس نے جانا ہمیں
جان پہچان کر اجنبی ہو گئے
آنکھ کی بند مُٹھی میں جو خواب تھے
بند مُٹھی کے اندر سسکتے رہے
خواہشوں کی رگوں میں لہو رُک گیا
دھڑکنیں اپنے سُر تال سب بھول کر
بے ہنر نغمہ خواں کی صدا بن گئیں
جم گئیں ...... بانسری کے لبِ خشک پر
پپڑیاں جم گئیں

گیت کے بول ہونٹوں سے گرنے لگے
خامشی چھا گئی
پاؤں بوجھل ہوئے
جو بھی زادِ سفر تھا وہ لُٹتا رہا
اپنی آنکھوں سے برسات ہوتی رہی
درد بڑھتا رہا
درد سہتے رہے
ہم بھی کیا لوگ تھے
کیا سے کیا ہو گئے
جان پہچان کر اجنبی ہو گئے

ہمارا المیہ یہ ہے

ہمارا المیہ یہ ہے
کہ ہم لفظوں کی بے آواز دنیا کے مسافر ہیں
ہمارے ساتھ جو بھی چل رہے ہیں
اُنھیں لفظوں کی چادر اوڑھ کر مستور رہنا ہے
اُنھیں آواز کی بستی سے یونہی دُور رہنا ہے
سماعت خودکشی کر لے
یا....... بے ترتیب آوازوں سے اپنی دوستی کر لے
انھیں مستور رہنا ہے
انہی یہ فکر لاحق ہے
کہ لفظوں کی یہ خاموشی کہیں آواز میں ڈھل کر
کوئی آہٹ نہ بن جائے
کوئی جادو نہ کر جائے

ابھی کچھ وقت ہے!

ہُنر مندی دکھا
یہ کرچیاں چُن
ان میں گزرے وقت کے
کچھ خوبصورت پل ہیں جو
اس بے اماں سی زندگی کا کل اثاثہ ہیں
انھیں پھر جوڑ دے
کہ وقت کے بے رحم ہاتھوں میں
یہ ٹکڑے آ گئے تو پھر
نہ میں جی پاؤں گا
نہ تم کسی صورت
یہ صدمہ جھیل پاؤ گے
ابھی کچھ وقت ہے
آؤ یہ ٹکڑے جوڑ لیتے ہیں

ہَوا بوجھل ہے

ہَوا بوجھل ہے
اپنے ساتھ
کتنی غمزدہ آنکھوں کا پانی لے کے پھرتی ہے
گزرتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے
کہ جیسے کوئی برہن ہو
اسے کوئی بتائے
چارسُو پھیلے ہوئے منظر میں
کوئی ہے؟
جو آسودہ دکھائی دے
فقط رونا مقدر ہے!

وقت

وقت اپنی ڈگر پہ چلتا ہے
وقت کب اپنے اختیار میں ہے
ہاں مگر ایک بات ممکن ہے
وقت کی ساری کروٹوں سے الگ
کچھ ہمارے بھی اختیار میں ہے
برملا اس سے کہہ تو سکتے ہیں
یہ جو سینے میں ہے الاؤ سا
یہ جو آنکھوں میں اِک نمی سی ہے
یہ جو کچھ خواب ریزہ ریزہ ہیں
یہ جو اَب رتجگے مقدر ہیں

چاندراتوں میں دل مچلتا ہے
ایک وحشت سی ہونے لگتی ہے
یہ جو اِک بے کلی سی رہتی ہے
یہ جو اِک مستقل اُداسی ہے
یہ جو اِک طرزِ زندگی اَب ہے
اس سے پہلے ہمارے روز و شب
کب بھلا اس طرح گزرتے تھے
ہم کہاں کھوئے کھوئے رہتے تھے
ایسی راہوں سے آشنا کب تھے
اس کو اتنا بتا تو سکتے ہیں
اس سے یہ بات کر تو سکتے ہیں
ایک دستک کی آس رہتی ہے
ایک آہٹ کے مُنتظر ہیں ہم
تم سے مل کر بدل گئے ہیں ہم
یہ بتانے میں کیا قباحت ہے

وہ پیکر

وہ پیکر
جو مرے احساس کو چھو کر گزرتا ہے
اُسے میرے تخیّل نے
کبھی پھولوں میں دیکھا ہے
کبھی تاروں کی جھلمل میں
کبھی رنگوں میں
خوشبو میں
کبھی گیتوں کے بولوں میں
کبھی وہ خوشنما پیکر
مری نظموں میں ڈھلتا ہے

کبھی وہ آنکھ میں موجود بوندوں میں جھلکتا ہے
وہ پیکر جب کبھی
احساس کی دہلیز سے آگے گزرتا ہے
تو خوابوں کا نگر آباد کرتا ہے
وہ پیکر، خوشنما پیکر
مرے احساس کا ملبوس ہے
میرا تخئیل ہے

حسیں آنکھیں

وہ کلیوں کی طرح
کھلتی ہوئی معصومیت اس کی
وہ ہردم پیار کا رس بانٹتی
اس کی حسیں آنکھیں
وہ چہرہ جس میں
آنکھوں کی بصارت جذب ہو جائے
وہ اس کی چال
جس کو دیکھ کر
ہر رہ گزر
پھولوں کے گجرے لے کے استقبال کو آئے

وہ پیشانی کہ جس پہ، وسعتیں تحریر ہو جائیں
وہ اس کے ہونٹ جیسے خوبصورت سا کوئی مطلع
وہ اس کی گفتگو کہ موسموں کے دن بدل جائیں
وہ لب کھولے تو یوں محسوس ہو
جیسے مغنی بانسری کی لے پہ
کوئی گیت گائے
وقت کی رفتار کم کر دے
وہ خوش قامت، وہ خوش گفتار
وہ کھلتا ہوا پیکر،
وہ خوشبو کا مجسم روپ
کیسے سوچ میں
احساس میں
شعروں میں ڈھل پائے

وہ لکھتا ہے

وہ لکھتا ہے
بہت بے ساختہ لکھتا ہے
پھر لکھ کر مٹاتا ہے
مٹا کر یہ سمجھتا ہے
کہ اس نے
دل کی حالت کو عیاں ہونے سے روکا ہے
اسے معلوم ہی کب ہے
کہ جو دل پر گزرتی ہے
اسے اظہار تک آنے میں کتنی دیر لگتی ہے
وہ حالت چُھپ نہیں سکتی

وہ کب روکے سے رُکتی ہے
وہ رستہ ڈھونڈ لیتی ہے
کبھی اشکوں کی صورت میں
کبھی آہوں کی صورت میں
کبھی آنکھوں کی ویرانی سے ظاہر ہونے لگتی ہے
وہ ناداں جانتا کب ہے
اسے معلوم ہی کب ہے
کہ یہ دل ہے!
یہ اپنی بات کہنا جانتا ہے
بات کرنے کے ہُنر سے خوب واقف ہے

وہ مجھ سے دُور ہے

وہ مجھ سے دُور ہے لیکن
کبھی جب میری تنہائی اسے آواز دیتی ہے
تو وہ میرے تخیّل میں چلا آتا ہے
میرے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے
مری ہر بات سُنتا ہے
اسے میری تڑپ اپنی تڑپ محسوس ہوتی ہے
مجھے بہلانے کی خاطر
وہ مجھ سے شعر سننے کا تقاضا کرنے لگتا ہے
مرے شعروں میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے
تو دم بھر کے لیے

وہ اپنی ہستی بھول جاتا ہے
وہ آنکھوں میں کئی مفہوم لے کر
میری آنکھوں میں اُترتا ہے
تو اس کی مدھ بھری آنکھیں
کئی منظر سجاتی ہیں
کبھی بارش برسنے کا سماں تخلیق کرتی ہیں
کبھی ساحل کی گیلی ریت پر
اٹھکیلیاں کرتی ہوئی لہروں کی تصویریں بناتی ہیں
وہ آنکھیں خواب بُنتی ہیں
مگر میں سوچتا ہوں
ایک دن ایسا بھی آئے گا
وہ سب کچھ بھول جائے گا
وہ یہ بھی بھول جائے گا
کہ کوئی دُور بیٹھا
ان کہے لفظوں سے تصویریں بناتا تھا
کسی کی راہ تکتا تھا
کسی کو یاد کرتا تھا
کبھی بے وجہ ہنستا تھا

مگر خاموش رہتا تھا
یہ میری سوچ ہے
اس سوچ نے
میرے جنوں پرور تخیّل کے لیے
اِک مستقل آزار کی بنیاد رکھ دی ہے

وہ میرے سامنے آئے

وہ میرے سامنے آئے
مجھے اپنا کہے
اور زندگی کی دھوپ چھاؤں میں
ہمیشہ ساتھ رہنے
ہر خوشی، ہر غم کو
باہم بانٹ لینے کے حسیں وعدے کرے
لیکن!
کبھی جب میں کسی لمحے
قدم آگے بڑھاؤں تو
مجھے بے کل کرے

اور راستے میں چھوڑ کر واپس پلٹ جائے
مرا جذبہ کسی بھی طور
اس بے اعتنائی کو گوارا کر نہیں سکتا
مجھے کیسے گوارا ہو
کہ اس بے اعتنائی سے
مرے جذبے کی پوروں میں
مرے احساس کی رگ رگ میں
دردِ نارسائی جاگ اٹھتا ہے

پیاسی زمیں

یہ بے آب و گیاہ
پیاسی زمیں بنجر نہیں ہے
ذرا موسم بدلنے دو
ہوا دامن بھگوئے
سبز رُت کو ہر طرف تقسیم کرتی پھر رہی ہے
ہمارے ساتھ آؤ
چند لمحوں کے لیے چشمِ تصوّر وا کرو
دیکھو
کہیں بادل گھٹا کے روپ میں
کُھل کر برسنے کے لیے بیتاب پھرتا ہے

زمیں کی گود میں سویا ہوا سبزہ
فقط اِک لفظ کُن کا منتظر ہے
یہ آدھی رات کو بوندیں برسنے کا سماں
ٹھنڈی ہوا، اٹھکیلیاں کرتا ہوا بادل
یہ افسانہ نہیں ہے
یہ سب احساس ہے
احساس کی اُجلی ریاضت کا ثمر ہے
چلو آؤ، کسی صورت
تصور کی حسیں وادی سے دم بھر کے لیے
آنکھوں کے رستے خواب تک
پھر خواب سے تعبیر تک آئیں
اُسے تجسیم کرنے کا ہُنر سیکھیں
زمیں کی کوکھ میں جو بیج دم گھٹنے کے باعث مر رہا ہے
اُسے بادل کے آنے کی خبر دیں
اُسے یہ بات سمجھائیں
کہ بے آب و گیاہ پیاسی زمیں
بنجر نہیں ہے

یہ میٹھی آگ ہے

یہ جلتی ہے نہ بُجھتی ہے
یہ میٹھی آگ ہے
ہر دم سُلگتی ہے
تپش آمیز ہے لیکن
عجب اِک شبنمی احساس سے لبریز رہتی ہے
لبِ جو رہ کے بھی
تشنہ لبی سے لطف لیتی ہے
محبت روح کی پاکیزگی
آنکھوں کی ٹھنڈک ہے
محبت رنگ ہے
خوشبو ہے
اُجلی سوچ کا اِک استعارہ ہے

سارے لفظ

یہ سارے لفظ،
سارے استعارے،
ساری تشبیہیں،
یہ سارے رنگ،
ساری خوشبوئیں، سارے حسیں موسم
تخیّل میں بسے پیکر کے خدوخال کو
تجسیم کی چوکھٹ پہ لانے کا بہانہ ہیں

شہر بدن

یہ شریانیں
مرے شہرِ بدن کی یہ گزر گاہیں
کہیں سیدھی، کہیں پر خوبصورت موڑ ہیں اِن میں
ہزاروں شہزادے
سُرخ پھولوں کی قبا اوڑھے
ترنم ریزیاں کرتے
یہاں پر سیر کرتے ہیں
کہیں جب چاندنی راتوں میں
کوئی بانسری کی لے پہ نغمہ چھیڑ دیتا ہے
تو پھر ماحول کی رگ رگ میں مستی پھیل جاتی ہے

اِنہی لمحوں میں خوابوں کا جہاں تشکیل پاتا ہے
محبت کی فسوں کاری سے دل سرشار ہوتا ہے
تو اِک میٹھی حرارت
زندگی میں دھیرے دھیرے گُھلنے لگتی ہے
طلب گاری کا پودا
خوشنما پھولوں کی خوشبو سے معطر ہونے لگتا ہے
لچکتی شاخ پر کھلتے ہوئے پھولوں کی مستی
تتلیوں کا رقص، سبزے کے لبوں پر اوس کا نم
چہچہاتی ننھی چڑیوں کے رسیلے گیت
موسم کی ادائیں،
دم بدم اٹھکیلیاں کرتی ہوئی بادِ صبا
منظر کا حصہ بننے لگتی ہے
نئی صورت گری سے
لفظ میں معنی اُترتے ہیں
کہانی خواب سے آگے
کسی اَن دیکھی دنیا کا سفر آغاز کرتی ہے
مسلسل بڑھتی جاتی ہے

مِری دُعا ہے!

یہ صبحِ نو ترے احساس کو عطا کردے
وہ تازگی کہ ترے خال وخد نکھر جائیں
ملے نصیب کی رفعت ترے اِرادوں کو
مری دعا ہے ترے بام و در سنور جائیں
تو آنکھ کھولے تو موسم ہوں منتظر تیرے
تو لب ہلائے تو گیتوں کے سُر بکھر جائیں
ترے خیال کی رو سے صباحتیں جاگیں
تمھارے خواب ہوں ہر سو جدھر جدھر جائیں
میں پھول اتنے اُگاؤں تمہاری راہوں میں
کہ دل سے گدلی رتوں کے یہ ڈر اُتر جائیں
حیات بخش رہے رابطوں کی ہر صورت
خیال و خواب کی دنیا میں رنگ بھر جائیں
وہ خال و خد جو مری آنکھ پر نہیں اُترے
وہ حرف وصوت میں آئیں کمال کر جائیں

یہ طے ہے

یہ طے ہے
اب ہمیں
کوئی گلہ شکوہ نہیں کرنا
دریچے کی منور چلمنوں سے دُور رہنا ہے
محبت کے تقاضوں کو
بدلتے موسموں کے رنگ میں
ڈھلنے نہیں دینا
تخیّل کی فصیلوں میں ہمیشہ قید رکھنا ہے
کسی کی بے نیازی کے فسوں سے

دل کی ہر دھڑکن کو اب مانوس کرنا ہے
کوئی بھی درد ہو
اس درد کی تعظیم کرنا ہے
کسی صورت تر ستی آنکھ کے دامن کو تر ہونے نہیں دینا
لبوں پر مسکراہٹ کو سجا کر بات کرنا ہے
کوئی شکوہ نہیں کرنا
فقط محسوس کرنا ہے

یہ کیسا گھر ہے

یہ کیسا گھر ہے
جس میں کوئی کھڑکی ہے، نہ دروازہ
ہواؤں کا گزر شاید
کسی روزن سے ممکن ہو
مگر اس گھر کی دیواروں پہ لکّھے حرف
گھر کی چار دیواری کے اندر
جس قدر کہرام ہیں
ان کی کہانی ہیں
ادھورے خواب، تشنہ آرزوئیں
گھر کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں

واپس لوٹ جاتی ہیں
مسلسل خامشی ہے
ہو کا عالم ہے
عجب اک نوحہ خوانی ہے
یہ کیسا گھر ہے
جس میں کوئی کھڑکی ہے نہ دروازہ

لمحہ لمحہ

یہ کیسی بے قراری ہے؟
لبوں پر مستقل اک خامشی ہے
اور آنکھوں میں
کوئی بے نام خواہش
لمحہ لمحہ
آنسوؤں میں ڈھلتی جاتی ہے

ہوا گلیوں میں

ہوا گلیوں میں، بازاروں میں،
تپتے ریگزاروں میں
برہنہ سر، برہنہ پا
عجب ہیجان کی زد میں ہے
کس اَندھے سفر میں ہے؟
گزرتی ہے
تو جو بھی راکھ میں خوابیدہ چنگاری ہے
اس کو حوصلہ دیتی ہے
شعلہ بار کرتی ہے

زمیں زادوں کی سانسوں میں
تعفن گھولتی ہے
آنکھ میں ویرانیاں بھرتی ہے
ماتم کرتی جاتی ہے
یہ کس اندھے سفر میں ہے
کہاں سے ہو کے آئی ہے
کہ اس کی آنکھ میں ویرانیوں کی داستانیں ہیں
لبوں پر نوحہ خوانی ہے
عجب سے روپ میں ہے
پیرہن بارُود کی بُو سے بھرا ہے
ہوا دہشت زدہ ہے
چارسو ٹکراتی پھرتی ہے

یہاں آؤ

یہاں آؤ
ذرا اس گوشۂ عزلت میں
تھوڑی دیر مل کر بیٹھتے ہیں باتیں کرتے ہیں
اِدھر دیکھو
رخِ گل پہ صباحت کو بیاں کرتی ہوئی فطرت کی یہ تحریر کیسی ہے؟
کلی کے نیم وا ہونٹوں پہ کس کا نام ہے
اس نام کی تاثیر کیسی ہے؟
ہماری بائیں جانب
یہ جو چشمہ ہے کسے سیراب کرتا ہے
کہ اس کے پانیوں میں زندگی کا راز مخفی ہے

وہ دیکھو
شاخ پہ بیٹھے پرندے کس طرح
اِک دوسرے سے پیار کا اظہار کرتے ہیں
یہ کیسی ناز برداری ہے،
کیسا والہانہ پن ہے،
کیسی بے خودی ہے
رقص کیسا ہے؟ یہ منظر کیسا منظر ہے!
ہواؤں میں یہ کیسی بے قراری ہے
یہ کس کو ڈھونڈتی ہیں
کس نگر سے ہو کے آئی ہیں
ہواؤں کے لبوں پر گیت کیسا ہے؟
جو ہر اِک سُننے والے میں خوشی بھی بانٹتا ہے
حیرتیں بھی، حسرتیں بھی،
اور میٹھے درد بھی تقسیم کرتا ہے
یہ وادی کیسے موسم پالتی ہے
کیسی تصویریں بناتی ہے
جدھر دیکھو اُدھر ہی رنگ ہیں،
خوشبو ہے، سبزہ ہے،

پرندے ہیں
مجسم زندگی ہے
زندگی کا ہر حوالہ ہے
سُنو!
ہم کس نگر کے رہنے والے ہیں
کہ اتنے خوبصورت منظروں کا بھید پانے کی ہمیں فرصت نہیں ملتی
ہمیں احساس کے رنگوں کی
اس قوسِ قزح سے کیا عداوت ہے
کہ ہم نے چار سُو محرومیوں کی فصل بوئی ہے
زمیں کے خوشنما چہرے کو داغوں سے سجایا ہے
ہم آخر کون ہیں؟

اُس نے پوچھا ہے

اُس نے پوچھا ہے
کیوں اُداس ہو تم
تم کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا
پہروں چپ چاپ بیٹھے رہتے ہو
میں نے ہنس کے کہا
کہ کچھ بھی نہیں
یہ اُداسی تو اِک ریاضت ہے
وہ جو اِک شخص مجھ میں رہتا تھا
بن بتائے چلا گیا ہے کہیں
سوچتا ہوں یہیں کہیں ہوگا
اُس کو خود میں تلاش کرتا ہوں
عین ممکن ہے لوٹ آیا ہو

اِک دائرہ ہے

اِک دائرہ ہے
دائرے میں آگ ہے
اور آگ کے روشن تپش آمیز منظر سے
کوئی کردار اُبھرا ہے
عجب ماحول ہے، اِک بے نیازی ہے،
جنوں پرور ادا ہے، رقص جاری ہے
تھرکتے پاؤں انگاروں پہ پڑتے ہیں
تو انگاروں کی نبضیں ڈوب جاتی ہیں
انوکھی بے خودی ہے، کیف و مستی ہے
مسلسل رقص جاری ہے

مگر کچھ فاصلے پر منتظر بیٹھی ہوئی یخ بستگی
یہ سوچتی ہے کب اُدھورے خواب
اِن آنکھوں کی پلکوں سے گریں گے
خاک کی پوروں میں اُتریں گے
الاؤ کب بجھے گا
کب تماشا ختم ہوگا
کب نئی رُت
پھر نئے خوابوں کو آنکھوں میں سجائے گی
نئے رنگوں سے خوشبو سے
نیا کردار اُبھرے گا
نئی صورت گری ہوگی
کہانی مر نہیں سکتی
کہانی پھر جنم لے گی

تم کسی اور طرح سوچتے ہو

تم کسی اور طرح سوچتے ہو
میں کسی اور طرح سوچتا ہوں
کیا یہ ممکن ہے
کہ بن سوچے
کسی طور ملاقات کریں

سوچ دیوار ہے
دیوار گرانا ہوگی
دل کی بستی میں تو دیواریں نہیں ہوتی ہیں
آؤ
اس بستی میں رہنے کا قرینہ سیکھیں

اور بن سوچے
کسی طور یہاں مل بیٹھیں
یہ وہ بستی ہے
کہ اِس بستی کے اُجلے موسم
خاک زادوں کو محبت کی دعا دیتے ہیں
اور تا حدِ نظر پھول کھلا دیتے ہیں

صُبح دم

صُبح دم
بادِ صبا اوس قطروں سے نمی،
پھولوں سے خوشبو لے کر
صحنِ گلشن سے نکلتی ہے
بڑے ناز کے ساتھ
چارسُو بانٹتی جاتی ہے
نئی صبح کا نور
ننھی چڑیوں کو چہکنے کی ادا دیتی ہے
سبز پتّوں میں اُتر جاتی ہے نرماہٹ سے
خواب سے کرتی ہے بیدار ہر اِک منظر کو

اپنے دامن میں سجا لیتی ہے
وہ رنگ جنہیں
لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی جبیں چومتی ہے
اور اس عالمِ سرشاری میں اٹھلاتی ہوئی
صبحِ نو لے کے محبت کی ردا گھومتی ہے
اور پھر بادِ صبا رقص کناں ہوتی ہے
کون یہ جان سکا کس کی لگن میں پگلی
ہر نئی صبح نئے خواب، نئے گیت نیا ذوقِ طلب بانٹتی ہے
اور جب وجد میں آتی ہے تو اِک دائرہ بن جاتا ہے
یہ وہی دائرہ ہے جس میں قوسیں
رقص کرتے ہوئے کرداروں میں ڈھل جاتی ہیں

گواہی

گواہی دے رہی ہیں
چاندنی راتیں کہ ان روبرو میں نے
سماعت میں کسی رس گھولتے لہجے
لبوں کی مسکراہٹ میں سجے لفظوں،
حسیں جذبوں،
سجل سوچوں کی
اِک تصویر کھینچی تھی
معطر گفتگو کے زیر و بم سے
لفظ کی پہچان کی تھی
اور اپنی ذات میں روشن سویرے کے لیے بنیاد رکھی تھی

مجھے تب بھی یقیں تھا
آج بھی میرے تصور میں
وہ سارے خوشنما منظر
اِسی تصویر جیسے ہیں
مجھے اَب بھی یقیں ہے
یہ گواہی مستند بھی معتبر بھی ہے
سنو تم بھی
گواہی دے رہی ہیں چاندنی راتیں
گواہی معتبر ہے فیصلہ کرلو
مبادا دیر ہو جائے
کہیں کوئی تمہارا منتظر ہے

محبت

محبت گزرے وقتوں کی حسیں یادوں کا گلدستہ
محبت آنے والی کل کا اَن دیکھا ہوا خدشہ
محبت ساعتِ امروز کا جلتا ہوا لمحہ
محبت سب کی مجبوری
محبت سب سے وابستہ

سُنو!

سُنو!
تم کیوں چلی آتی ہو؟
یوں میرے تخیّل میں
کہ اپنے آپ سے میں لاتعلق ہونے لگتا ہوں
مری نظریں جمی رہتی ہیں اِک تصویر پر ایسے
کہ جیسے تپتے صحرا میں
مسافر کو اچانک خوبصورت پھول یا پھر ابر کا ٹکڑا دکھائی دے
سُلگتی رہ گزر پر دفعتاً برسات ہو جائے
مسافر کے رگ و پے میں
کوئی مستی سی گُھل جائے

سُنو!
تم کیوں چلی آتی ہو
یوں میرے تخیّل میں کہ میرے لفظ
مجھ سے ایک ہی تکرار کرتے ہیں
کہ کوئی نظم لکّھو
سوچ کو معنی عطا کر دو
مگر میں کیا کروں
کیسے لکھوں؟
میرے تخیّل میں
تلاطم آشنا اِک موج ہے، اِک بہتا دریا ہے
کئی رنگوں کی برکھا ہے، حسیں قوسِ قزح ہے
خوشبوؤں کا ایک پیکر ہے
عجب جادو سا ہے
جو ہوش میں آنے نہیں دیتا
یہی سچ ہے، یہی سچ ہے!!!
کہ تم!
میرے تخیّل سے زیادہ خوبصورت ہو

یہ کیا ہم ہیں؟

ذرا سوچیں
بھلا ہم لفظ ہیں؟
آواز ہیں؟
احساس یا جذبے کا کوئی استعارہ ہیں
یہ ہم جو بولتے ہیں
(گفتگو کے ہر گھڑی تیور بدلتے ہیں)
یہ کیا ہم ہیں؟
اگر ہم ہیں
تو پھر یہ لفظ، یہ آواز
یہ احساس اور جذبے کی ساری صورتیں مل کر

ہمیں ''ہم'' میں بدلتی ہیں
مگر ہم لوگ کیسے ہیں!!
جو لفظوں کو فقط حرفوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں
ہم ان لفظوں کے معنی میں
چُھپے اَسرار کو چُھونے کی کیوں زحمت نہیں کرتے

خوشبو کی بات ہے

خوشبو کی بات ہے نہ اب رنگوں کی بات ہے
پھولوں کا ذکر ہے نہ کہیں چاندنی کی بات
سب لفظ اپنے معنی و مفہوم کھو چکے
جگنو، ستارے، تتلیاں،
آنکھوں میں اُترے خواب
سب دفن ہو گئے ہیں مرے ساتھ اور میں
اِک چُپ میں منتقل ہوں
مجھے بولنا نہیں
شکوہ کسی کو تھا کہ بہت بولتا ہوں میں
کہہ دو اُسے کہ خوش رہے
اور مطمئن رہے
چُپ ہو گیا وہ شخص
بہت بولتا تھا جو

سُنہرے دِن

حسیں صبحیں،
حسیں شامیں،
ستارے، کہکشائیں، تتلیاں، جگنو،
سحر دم اوس قطروں سے مزیّن
سبزہ و گل کے بطن سے پھوٹتی رعنائیاں،
بادِ صبا کے نرم رو جھونکے،
سنہرے دن کی ساری رونقیں،
سارے حسیں لمحے، پرندوں کی اُڑانیں،
ننھی چڑیوں کا لچکتی شاخ سے اٹھکیلیاں کرنا،
ترے خوابوں کی جنت کے یہ سارے

خوشنما منظر

ترے احساس کی پَوروں میں گُھل جائیں
ترا کھلتا ہوا عارض
تری یہ مدھ بھری آنکھیں
حسیں رُت کا حوالہ ہوں
صباحت تیرے پیکر سے لپٹ کر
تیری خوشبو سے معطر ہو
ترے سانسوں کی حدّت
زندگی کو زندگی بخشے
ترے ہونٹوں کو چُھو کر لفظ کو توقیر مل جائے

وجودِ امکاں سے

جو ضروری ہے زندگی کے لیے
اس کی تحسین بھی ضروری ہے
خواب ہر آنکھ کی ضرورت ہیں
خواب بن زندگی ادھوری ہے
کیا خبر کب کسی کے آنے سے
موسموں پہ نکھار آ جائے
کیا خبر اور کتنے امکاں ہیں
کیا خبر کب بہار آ جائے
میں کہ لفظوں کی بارگاہ میں ہوں
میری نظمیں مجھے بلاتی ہیں
کیا خبر کب وہ لفظ مِل جائیں
جن سے اک نظم ہو سکے تخلیق
کیا خبر کب وجودِ امکاں سے
میرے دعوؤں کی ہو سکے تصدیق

گردش

جس سیارے کی خاک چھانی ہے
اس کی گردش سے
یہ ہُنر سیکھا
ایک نقطے کو مان کر مرکز
اپنی گردش کا دائرہ کھینچو
دائروں کا سِرا نہیں ہوتا
صرف گردش سے واسطہ رکھو

اُسے مجھ سے محبت تھی!

اُسے مجھ سے محبت تھی
اسے مجھ سے محبت ہے
وہ کل اقرار کرتا تھا، نہ اب اقرار کرتا ہے
مگر احساس کی رو پر
وہ ہر لمحہ، بکھرنے، ٹوٹنے اور ٹوٹ کر جُڑنے کے
سارے مرحلوں کی داستاں تحریر کرتا ہے
اسے معلوم ہے
یہ ایک انجانا سا رشتہ
اپنے اندر کس قدر مفہوم رکھتا ہے
وہ اکثر بے خیالی میں چلا آتا ہے

آ کر دِلاسے دیتا ہے
میرے نام کی تختی پہ نظریں گاڑ دیتا ہے
مری چشمِ تصوّر اس کو اکثر دیکھ لیتی ہے
وہ زیرِ لب مری غزلوں کے مصرعے گنگناتا ہے
وہ میری شاعری کے سب حوالوں سے شناسا ہے
مری نظمیں ردا بن کر اسے یوں ڈھانپ لیتی ہیں
کہ موسم کی کوئی شدّت اسے چُھونے نہیں پاتی
وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب محسوس کرتا ہے
مگر وہ مان لے، اقرار کر لے
اور یہ کہہ دے
مجھے تم سے محبت ہے
یہ ناممکن سا لگتا ہے
مگر یہ عین ممکن ہے، کسی دن ہو بھی سکتا ہے
محبت معجزہ ہے
معجزوں کو رونما ہونے سے
کوئی روک پایا ہے، نہ کوئی روک پائے گا

من کی کہانی

کہیں پھولوں کی خوشبو میں
کہیں رنگوں کے جادو میں
کہیں برکھا کی رم جھم میں
کہیں ساون کے جھولوں میں
کہیں شبنم کی بوندوں میں
کہیں کھلتے شگوفوں میں، کہیں کلیوں کی بستی میں
کہیں آنکھوں کی مستی میں، کہیں جگنو کی آنکھوں میں
کہیں تتلی کے رنگوں میں
کہیں پرُروح کو سیراب کرتی آبشاروں میں
کہیں سرشاریاں تقسیم کرتے کوہساروں میں

کہیں سرسوں کے کھیتوں میں
کہیں کچے مکانوں میں
کہیں احساس کی پوروں کو مس کرتی ہوئی مُرلی کی تانوں میں
کہیں خوابوں کے تار و پود میں
انگڑائیاں لیتی ہوئی، من کی کہانی میں
کہیں ساگر کی لہروں میں، کہیں چشمے کے پانی میں
زمیں سے آسماں تک ہے
وہاں سے لامکاں تک ہے
حقیقت سے گماں تک ہے
جہاں دیکھو وہاں تک ہے
پرندوں کی حسیں چہکار میں، گیتوں کی لے میں ہے
محبت ہی محبت ہے، محبت کے سوا کیا ہے
محبت کے سوا جو کچھ بھی ہے، وہ ایک دھوکہ ہے
محبت ہی حقیقت ہے
اگر ہم جاننا چاہیں!

شانت ہو جاؤ

کسی صورت
تمہیں گر سوچ کا دھارا بدلنا ہو
جو گزرا وقت ہے
اس وقت کی ہر یاد سے
پہلو بچانا ہو
ہر اک سپنے کی خوشبو سے
ہر اک وعدے کی بندش سے
تمہیں بچ کر گزرنا ہو
تمہیں خود کو
کسی سے منسلک رکھنا

اگر دشوار لگتا ہو
تو پھر ایسا کرو
سب کچھ بھلا دو
اک نئے احساس میں ڈھل کر
ردائے خامشی کو اوڑھ لو
اور بے نیازی سے
سرِ ساحل کھڑے ہو کر
کسی کی ڈوبتی ناؤ کا نظّارہ کرو
اور شانت ہو جاؤ

قدم آگے بڑھانا ہے

کہانی میں یہ کیسا موڑ ہے
اس موڑ سے آگے
کوئی رستہ نظر آتا نہیں
اِک دُھند ہے
سارے مناظر غیر واضح ہیں
کہانی اپنی آنکھیں کھولتی ہے
بند کرتی ہے
کبھی جھنجھلا کے
آنکھوں کے پپوٹوں کو مسلتی ہے
کبھی غصے سے

اپنے ہونٹ دانتوں میں دباتی ہے
کبھی بے تاب ہو کر
پاؤں پتھریلی چٹانوں پر پٹختی ہے
کبھی سر کی ردا کو نوچتی ہے
آہ بھرتی ہے
عجب سی بے قراری ہے
تھکن سے چور ہے سارا بدن
لیکن کہانی!
حوصلہ ہاری نہیں ہے
دھیرے دھیرے چلتی جاتی ہے
تھکن جب حد سے بڑھتی ہے
تو تھوڑی دیر کو ستانے لگتی ہے
مگر پھر!
چونک اٹھتی ہے
یقیں ہر چند غالب ہے،
مگر پھر بھی اسے یہ فکر لاحق ہے
کہ اس کے چار سُو پھیلی ہوئی یہ دُھند
اس کی ذات کا حصہ نہ بن جائے

ہوا اس دھند سے
آگے کے سارے منظروں کو چُھو کے آئی ہے
کہانی کو اکیلا دیکھتی ہے، پاس آ کر بیٹھ جاتی ہے
اسے ان خوبصورت منظروں کی
ساری تصویریں دکھاتی ہے
ہوا کے ہاتھ میں اک خوشنما تحریر بھی ہے
جس میں لکّھا ہے
''کہانی کو قدم آگے بڑھانا ہے
اسے ہر حال میں اس دھند سے
باہر نکلنا ہے
کہ اگلے موڑ پر
اِک مرکزی کردار
اُس کا منتظر ہے''

مکالمہ

کہا میں نے :
کہ کیا ہم ایک دوجے کی ضرورت ہیں؟
کہا اس نے :
کہ ہاں ....بالکل
''مجھے تیری ضرورت ہے
تجھے میری ضرورت ہے''
کہا میں نے :
کہ کیا ہم روٹھنے پہ
ایک دوجے کو منالیں گے؟
کہا اس نے :
کہ ہاں..........بالکل